# سید ابو الاعلیٰ مودودی — تفہیم القرآن

## 19 سُوۡرَةُ مَريَمَ مَكِّيَّة — رکوعاتہا 6

## آیاتہا 98 — 44

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

**نام**

اس سورة کا نام آیت واذکر فی الکتب مریم سے ماخوذ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ سورة جس میں حضرت مریم کا ذکر آیا ہے۔

**زمانہ نزول**

اس کا زمانہ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اسلام جب نجاشی کے دربار میں بلائے گئے تھے اس وقت حضرت جعفر نے یہی سورة بھرے دربار میں تلاوت کی تھی۔

**تاریخی پس منظر**

جس دور میں یہ سورة نازل ہوئی اس کے حالات کی طرف ہم کسی حد تک سورة کہف کے دیباچہ میں اشارہ کرچکے ہیں لیکن وہ مختصر اشارہ اس سورہ کو اور اس دور کی دوسری سورتوں کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے ہم ذرا اس وقت کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

قریش کے سردار جب تضحیک، استہزاء اطماع تخویف اور جھوٹے الزامات کی تشہیر سے تحریک اسلامی کو دبانے میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے ظلم و ستم، مار پیٹ اور معاشی دباؤ کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کیے۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نو مسلموں کو تنگ پکڑا اور طرح طرح سے ستا کر، قید کر کے بھوک پیاس کی تکلیفیں دے کر، حتی کہ سخت جسمانی اذیتیں دے دے کر انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ غریب لوگ اور وہ غلام اور موالی جو قریش والوں کے تحت زیر دست کی حیثیت سے رہتے تھے، بری طرح پیسے گئے۔ مثلاً بلال رضی اللہ، عامر رضی اللہ بن مہر، ام عبیس رضی اللہ، زبیرہ، عمار رضی اللہ بن یاسر اور ان کے والدین وغیرہ، ان لوگوں کو مار مار کر ادھ موا کردیا جاتا، بھوکا پیاسا بند رکھا جاتا، مکے کی تپتی ہوئی ریت چلچلاتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا۔ جو لوگ پیشہ ور تھے ان سے کام لے لیا جاتا اور اجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت خباب بن ارت کی یہ روایت موجود ہے کہ :

" میں مکہ میں لوہار کا کام کرتا تھا، مجھ سے عاص بن وائل نے کام لیا، پھر جب میں اس سے اجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ تیری اجرت نہ دونگا جب تک تو محمد کا انکار نہ کرے "

اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں اور جو معاشرے میں کچھ عزت کا مقام رکھتے ان کو ہر طریقے سے ذلیل و رسوا کیا جاتا۔ اسی زمانے کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت خباب کہتے ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا " یا رسول اللہ ﷺ اب تو ظلم کی حد ہوگئی ہے، آپ خدا سے دعا نہیں فرماتے ؟ " یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک تمتما اٹھا اور آپ نے فرمایا " تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان پر اس سے زیادہ مظالم ہوچکے ہیں ان کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں گھسی جاتی تھیں، ان کے سروں پر رکھ کر آرے چلائے جاتے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ ایک آدمی صنعاء سے حضرموت تک بےکھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو " (بخاری) ۔

یہ حالات جب ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو رجب 45 ہجری عام الفیل (سن ۵ نبوی) میں حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ لوخرجتم الی ارض الحبشۃ فان بھا ملکا لایطیلم عندہ احد وھی ارض صد حتی یجعل اللہ لکم فرجا مما انتم فیہ ۔ " اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سر زمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے، تم لوگ وہاں ٹھیرے رہو " ۔

اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ قریش کے لوگوں نے ساحل تک ان کا پیچھا کیا، مگر خوش قسمتی سے شعیبہ کے بندرگاہ پر ان کو بر وقت حبش کے لئے کشتی مل گئی اور وہ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔ پھر چند مہینوں کے اندر مزید لوگوں نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۸۳ مرد گیارہ عورتیں اور ۷ غیر قریشی مسلمان حبش میں جمع ہوگئے اور مکے میں نبی ﷺ کے ساتھ صرف ۴۰ آدمی رہ گئے۔

اس ہجرت سے مکے کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا، کیونکہ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چشم و چراغ ان مہاجرین میں شامل نہ ہوں۔ کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کا بھائی اور کسی کی بہن۔ ابو جہل کے بھائی سلمہ بن ہشام، اس کے چچا زاد بھائی ہشام بن ابی حذیفہ اور عیاش بن ابی ربیعہ اور اس کی چچا زاد بہن حضرت ام سلمہ، ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ، عتبہ کے بیٹے اور ہندہ جگر خوار کے سگے بھائی ابو حذیفہؓ، سہیل بن عمرد کی بیٹی سلہلہؓ اور اسی طرح

دوسرے سردار قریش اور مشہور دشمنان اسلام کے اپنے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اسی لئے کوئی گھر نہ تھا جو اس واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بعض لوگ اس کی وجہ سے اسلام دشمنی میں پہلے سے زیادہ سخت ہوگئے، اور بعض کے دلوں پر اس کا اثر ایسا ہوا کہ آخر کار وہ مسلمان ہو کر رہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ کی اسلام دشمنی پر پہلی چوٹ اسی واقعہ سے لگی۔ ان کی ایک قریبی رشتہ دار لیلی بنت حشمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرت کے لئے اپنا سامان باندھ رہی تھی، اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمر رضی اللہ آئے اور کھڑے ہو کر میری مشغولیت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے " عبداللہ کی ماں، جارہی ہو " ؟ میں نے کہا " ہاں خدا کی قسم تم لوگوں نے ہمیں ستایا۔ خدا کی زمین کھلی پڑی ہے، اب ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں خدا ہمیں چین دے " یہ سن کر عمر کے چہرے پر رقت کے ایسے آثار طاری ہوئے جو میں نے کبھی ان پر نہ دیکھے تھے اور وہ بس یہ کہہ کر نکل گئے کہ " خدا تمہارے ساتھ ہو "۔

ہجرت کے بعد قریش کے سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے طے کیا کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابو جہل کے ماں جائے بھائی) اور عمرو بن عاص کو بہت سے قیمتی تحائف کے ساتھ حبش بھیجا جائے اور یہ لوگ کسی نہ کسی طرح نجاشی کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ان مہاجرین کو مکے واپس بھیج دے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ نے (جو خود مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں) یہ واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ دونوں ماہر سیاست سفیر ہمارے تعاقب میں حبش پہنچے۔ پہلے انہوں نے نجاشی کے اعیان سلطنت میں خوب ہدیے تقسیم کر کے سب کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ مہاجرین کو واپس کرنے کے لئے نجاشی پر بالاتفاق زور دیں گے۔ پھر نجاشی سے ملے اور اس کو بیش قیمت نذرانے دینے کے بعد کہا کہ " ہمارے شہر کے چند نادان لونڈے بھاگ کر آپ کے ہاں آگئے ہیں قوم کے اشرف نے ہمیں آپ کے پاس ان کی واپسی کو درخواست کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ لڑکے ہمارے دین سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے ایک نرالا دین نکال لیا ہے " ان کا کلام ختم ہوتے ہی اہل دربار ہر طرف سے بولنے لگے کہ " ایسے لوگوں کو ضرور واپس کردینا چاہیے، ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے۔ انہیں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ مگر نجاشی نے بگڑ کر کہا کہ " اس طرح تو میں انہیں حوالے نہیں کروں گا۔ جن لوگوں نے دوسرے ملک کو چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا اور یہاں پناہ لینے کے لئے آئے ان سے میں بےوفائی نہیں کرسکتا پہلے میں انہیں بلا کر تحقیق کروں گا کہ یہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے " چنانچہ نجاشی نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔

نجاشی کا پیغام پا کر سب مہاجرین جمع ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے کیا کہنا ہے۔ آخر سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ نبی ﷺ نے

جو تعلیم ہمیں دی ہے ہم تو وہی بےکم وکاست پیش کریں گے خواہ نجاشی ہمیں رکھے یا نکال دے۔ دربار میں پہنچے تو چھوٹتے ہی نجاشی نے سوال کیا کہ " یہ تم لوگوں نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑا اور میرے دین میں بھی داخل نہ ہوئے، نہ دنیا کے دوسرے ادیان ہی میں سے کسی کو اختیار کیا ؟ آخر یہ تمہارا نیا دین ہے کیا "؟ اس پر مہاجرین کی طرف سے جعفر بن ابی طالب نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں پہلے عرب جاہلیت کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو بیان کیا، پھر نبی ﷺ کی بعثت کا ذکر کر کے بتایا کہ آپ کیا تعلیمات پیش فرماتے ہیں، پھر ان مظالم کا ذکر کیا جو آنحضور کی پیروی اختیار کرنے والوں پر قریش کے لوگ ڈھا رہے تھے، اور اپنا کلام اس بات پر ختم کیا کہ دوسرے ملکوں کے بجائے ہم نے آپ کے ملک کا رخ اس امید پر کیا ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ ذرا مجھے وہ کلام تو سناؤ جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے تمہارے نبی پر اترا ہے۔ حضرت جعفر نے جواب میں سورۃ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ نجاشی اس کو سنتا رہا اور روتا رہا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی جب حضرت جعفر نے تلاوت ختم کی تو اس نے کہا کہ " یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰ لائے تھے دونوں ایک ہی سر چشمے سے نکلے ہیں خدا کی قسم میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے نہ کروں گا ۔"

دوسرے روز عمر و بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ " ذرا ان لوگوں سے بلا کر یہ تو پوچھیے کہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے۔ یہ لوگ ان کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں " نجاشی نے پھر مہاجرین کو بلا بھیجا۔ مہاجرین کو پہلے سے عمرو کی چال کا علم ہوچکا تھا۔ انہوں نے جمع ہو کر پھر مشورہ کیا کہ اگر نجاشی نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دو گے ؟ موقع بڑا نازک تھا اور سب اس سے پریشان تھے۔ مگر پھر بھی اصحاب رسول اللہ نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہوتا ہے ہوجائے۔ ہم تو وہی بات کہیں گے جو اللہ نے فرمائی اور اللہ کے رسول نے سکھائی۔ چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں گئے اور نجاشی نے عمرو بن العاص کا پیش کردہ سوال ان کے سامنے دہرایا تو جعفر بن ابی طالب نے اٹھ کر بلا تامل کہا کہ " ھو عبداللہ و رسولہ و روحہ وکلمتہ القاھا الی مریم العذراء البتول۔ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا " نجاشی نے سن کر ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا " خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے " اس کے بعد نجاشی نے قریش کے بھیجے ہوئے تمام ہدیے یہ کہہ کر واپس کردیے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور مہاجرین سے کہا کہ تم بالکل اطمینان کے ساتھ رہو۔

## موضوع اور مضمون

اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر جب ہم اس سورہ کو دیکھتے ہیں تو اس میں اولین بات نمایاں ہو کر ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ اگرچہ مسلمان ایک مظلوم پناہ گزیں گروہ کی حیثیت سے اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا رہے تھے، مگر اس

حالت میں بھی الل تعالیٰ ن ان کو دین ک معامل میں ذر برابر مدانت کرن کی تعلیم ن دی، بلک چلت وقت زاد را ک طور پر ی سورة ان ک ساتھ کی تاک عیسائیوں ک ملک میں عیسیٰ علی السلام کی بالکل صحیح حیثیت پیش کریں اور انک ابن الل ون کا صاف صاف انکار کردیں

پل دو رکوعوں میں یحییٰ اور عیسیٰ کا قص سنا ن ک بعد پھر تیسر رکوع میں حالات زمان کی مناسبت س حضرت ابرایم علی السلام کا قص سنایا گیا  کیونک ایس ی حالات میں و بھی اپن باپ اور خاندان اور ال ملک ک ظلم س تنگ آ کر وطن س نکل کھڑ وئ تھ اس س ایک طرف کفار مک کو ی سبق دیا گیا  ک آج  جرت کرن وال مسلمان ابرایم علی السلام کی پوزیشن میں یں اور تم لوگ ان ظالموں کی پوزیشن میں و جنوں ن تمار باپ اور پیشواؤ ابرایم علی السلام کو گھر س نکالا تھا دوسری طرف ماجرین کو ی بشارت دی گئی  ک جس طرح ابرایم علی السلام وطن س نکل کر تبا ن وئ بلک اور زیاد سر بلند وگئ ایسا ی انجام نیک تمارا انتظار کر را 

اس ک بعد چوتھ رکوع میں دوسر انبیاء کا ذکر کیا گیا  جس س ی بتانا مقصود  ک تمام انبیاء علیم السلام وی دین ل کر آئ تھ جو محمد  لائ یں، مگر انبیاء ک گزر جان ک بعد ان کی امتیں بگڑتی ری یں اور آج مختلف امتوں میں جو گمرایاں پائی جا ری یں ی اسی بگاڑ کا نتیج یں

آخری دو رکوعوں میں کفار مک کی گمرایوں پر سخت تنقید کی گئی  اور کلام ختم کرت وئ ال ایمان کو مژد سنایا گیا  ک دشمنان حق کی ساری کوششوں ک باوجود بالآخر تم محبوب خلائق و کر رو گ

سُوۡرَةُ | رکوعاتا 6

مَرۡيَمَ مَكِّيَّةٌ | آیاتا 98

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

كٓ يٰعٓصٓ ١

ک، ، ی، ع، ص ذکر  (۱) 

(۱) تقابل ک لیئ سورة آل عمران رکوع ۴ پیش نظر ر جس میں ی قص دوسر الفاظ میں بیان وچکا  (تفیم القران ج 1 ص ۲۴۶  ۲۵۰)

ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّاۤ 

اس رحمت کا جو تیر رب ن اپن بند زکریا (۲) پر کی تھی،

(۲)  ی حضرت زکریا جن کا ذکر یاں و را  حضرت ارون ک خاندان س تھ ان کی پوزیشن ٹھیک ٹھیک سمجھن ک لیئ ضروری  ک بنی اسرائیل

کے نظام کہانت (Priesthood) کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ فلسطین پر قابض ہونے کے بعد بنی اسرائیل نے ملک کا انتظام اس طرح کیا تھا کہ حضرت یعقوب کی اولاد کے 12 قبیلوں میں تو سارا ملک تقسیم کردیا گیا، اور تیرھواں قبیلہ (یعنی لاوی بن یعقوب کا گھرانا) مذہبی خدمات کے لیئے مخصوص رہا پھر بنی لاوی میں سے بھی اصل وہ خاندان جو، مقدس میں خداوند کے آگے بخور جلا نے کی خدمت اور پاک ترین چیزوں کی تقدیس کا کام کرتا تھا، حضرت ہارون کا خاندان تھا۔ باقی دوسرے بنی لاوی مقدس کے اندر نہیں جاسکتے تھے بلکہ خداوند کے گھر کی خدمت کے وقت صحنوں اور کوٹھڑیوں میں کام کرتے تھے، سبت کے دن اور عیدوں کے موقع پر سوختنی قربانیاں چڑھاتے تھے، اور مقدس کی نگرانی میں بنی ہارون کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

بنی ہارون کے چوبیس خاندان تھے جو باری باری سے مقدس کی خدمت کے لیئے حاضر ہوتے تھے۔ انہی خاندانوں میں سے ایک ابیاہ کا خاندان تھا جس کے سردار حضرت زکریا تھے۔ اپنے خاندان کی باری کے دنوں میں یہی مقدس میں جاتے اور بخور جلا نے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بائیبل کی کتاب تواریخ اول، باب 23، 24)

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۳
جبکہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۴
اس نے عرض کیا " اے پروردگار ! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے، اے پروردگار، میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا۔

وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۵
مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے [۳]، اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے

(۳) ۔ مطلب یہ ہے کہ ابیاہ کے خاندان میں میرے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو دینی اور اخلاقی حیثیت سے اس منصب کا اہل ہو جسے میں سنبھالے ہوئے ہوں۔ آگے جو نسل اٹھتی نظر آ رہی ہے اس کے لچھن بگڑے ہوئے ہیں۔

يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۶
جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوبؑ کی میراث بھی پائے، [۴] اور اے پروردگار، اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا "۔

(۴) ۔ یعنی مجھے صرف اپنی ذات ہی کا وارث مطلوب نہیں ہے بلکہ خانوادۂ یعقوب کی بھلائیوں کا وارث مطلوب ہے۔

یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اسْمُہٗ یَحْیٰی ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴿۷﴾

(جواب دیا گیا) " اے زکریا، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا (۵) ۔ "

(۵) ۔ لوقا کی انجیل میں الفاظ یہ ہیں : " تیرے کنبے میں کسی کا یہ نام نہیں " (۱:٦۱)

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ﴿۸﴾

عرض کیا " پروردگار، بھلا میرے ہاں کیسے بیٹا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر سوکھ چکا ہوں " ؟

قَالَ کَذٰلِکَ ۚ قَالَ رَبُّکَ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْـًٔا ﴿۹﴾

جواب ملا " ایسا ہی ہوگا۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ تو میرے لیے ایک ذرا سی بات ہے، آخر اس سے پہلے میں تجھے پیدا کرچکا ہوں جب کہ تو کوئی چیز نہ تھا (٦) ۔ "

(٦) ۔ حضرت زکریا کے اس سوال اور فرشتے کے جواب کو نگاہ میں رکھیے، کیونکہ آگے چل کر حضرت مریم کے قصے میں پھر یہی مضمون آ رہا ہے اور اسکا جو مفہوم یہاں ہے وہی وہاں ہونا چاہیے۔ حضرت زکریا نے کہا کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے ، میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے ؟ فرشتے نے جواب دیا کہ " ایسا ہی ہو گا "، یعنی تیرے بڑھاپے اور تیری بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود تیرے ہاں لڑکا ہو گا ۔ اور پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا حوالہ دیا کہ جس خدا نے تجھے نیست سے ہست کیا اسکی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے کہ تجھ جیسے شیخ فانی سے ایک ایسی عورت کے ہاں اولاد پیدا کر دے جو عمر بھر بانجھ رہی ہو۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿۱۰﴾

زکریا نے کہا، " پروردگار، میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے " ۔ فرمایا " تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو پیہم تین دن لوگوں سے بات نہ کرسکے " ۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْہِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَۃً وَّ عَشِیًّا ﴿۱۱﴾

چنانچہ وہ محراب (۷) سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آیا اور اس نے اشارے سے ان کو ہدایت کی کہ صبح و شام (۸) تسبیح کرو۔

(۷) ۔ محراب کی تشریح کے لیئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۳۶

(۸) ۔ اس واقعہ کی جو تفصیلات لوقا کی انجیل میں بیان ہوئی ہیں انہیں ہم یہاں نقل کردیتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے قرآن کی روایت کے ساتھ مسیحی روایت بھی رہے۔۔۔ درمیان میں قوسین کی عبارتیں ہماری اپنی ہیں :

" یہود یہ کے بادشاہ ہیرو ویس کے زمانے میں (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، بنی اسرائیل، حاشیہ 9) ابیاہ کے فریق سے زکریاہ نام کا ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اس کا نام الیشبع (Elzabeth) تھا۔ اور وہ خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام و قوانین پر بےعیب چلنے والے تھے۔۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور وہ دونوں عمر رسیدہ تھے۔۔ جب وہ خدا کے حضور اپنے فریق کی باری پر کہانت کا کام دیتا تھا تو ایسا ہوا کہ کہانت کے دستور کے موافق اس کے نام کا قرعہ نکلا کہ خداوند کے مقدس میں جا کر خوشبو جلائے۔۔ اور لوگوں کی ساری جماعت خوشبو جلا تے وقت باہر دعا کر رہی تھی کہ خداوند کا فرشتہ خوشبو کے مذبح کی داہنی طرف کھڑا ہوا اس کو دکھائی دیا۔ اور زکریا دیکھ کر گھبرایا اور اس پر دہشت چھا گئی۔ مگر فرشتے نے اس سے کہا اے زکریا ! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی (حضرت زکریا کی دعا کا ذکر بائیبل میں کہیں نہیں ہے۔) اور تیرے لیئے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام یوحنا (یعنی یحیی) رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی اور بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب سے خوش ہوں گے کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا (سورۃ آل عمران میں اس کے لیئے لفظ سیداً استعمال ہوا ہے۔) اور ہرگز نہ مے اور نہ کوئی اور شراب پیئے گا (تقیاً ) اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا (واتینٰہ الحکم صبیاً ) اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو ان کا خدا ہے پھیرے گا۔ اور وہ ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کی راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لیئے ایک مستعد قوم تیار کرے "

" زکریا نے فرشتے سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں ؟ کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی عمر رسیدہ ہے۔۔ فرشتے نے اس سے کہا میں جبرائیل ہوں خدا کے حضور کھڑا رہتا ہوں اور اس لیئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ان باتوں کی خوش خبری دوں۔ اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے

گا اس لیئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی
یقین نہ کیا۔ (یہ بیان قرآن سے مختلف ہے۔ قرآن اسے نشانی قرار
دیتا ہے اور لوقا کی روایت اسے سزا کہتی ہے۔ نیز قرآن صرف تین
دن کی خاموشی کا ذکر کرتا ہے اور لوقا کہتا ہے کہ اس وقت سے
حضرت یحییٰ کی پیدائش تک حضرت زکریا گونگے رہے) اور لوگ
زکریا کی راہ دیکھتے اور تعجب کرتے تھے کہ اسے مقدس میں کیوں
دیر لگی۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے
معلوم کیا کہ اس نے مقدس میں رویا دیکھی ہے اور وہ ان سے
اشارے کرتا تھا اور گونگا ہی رہا"۔ (لوقا۔ باب ۱۔ آیت ۵ تا ۲۲۔)

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۙ ۱۲۔
"اے یحییٰ، کتاب الٰہی کو مضبوط تھام لے" (۹) ہم نے اسے بچپن ہی میں "حکم" (۱۰) سے نوازا۔

(۹) ۔ بیچ میں یہ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے کہ اس فرمان الٰہی کے مطابق حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور جوانی کی عمر کو پہنچے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب وہ سن رشد کو پہنچے تو کیا کام ان سے لیا گیا۔ یہاں صرف ایک فقرے میں اس مشن کو بیان کردیا گیا ہے جو منصب نبوت پر مامور کرتے وقت ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ یعنی وہ توراۃ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں اور بنی اسرائیل کو اس پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔

(۱۰) ۔ " حکم " یعنی قوت فیصلہ، قوت اجتہاد، تفقہ فی الدین معاملات میں صحیح رائے قائم کرنی کی صلاحیت اور اللہ کی طرف سے معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار۔

وَّ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً ؕ وَکَانَ تَقِیًّا ۙ ۱۳۔
اور اپنی طرف سے اس کو نرم دلی (۱۱) اور پاکیزگی عطا کی، اور وہ بڑا پرہیزگار

(۱۱) ۔ اصل میں لفظ حنان استعمال ہوا ہے جو قریب قریب مامتا کا ہم معنی ہے۔ یعنی ایک ماں کو جو غایت درجہ کی شفقت اپنی اولاد پر ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ بچے کی تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہے، وہ شفقت حضرت یحییٰ کے دل میں بندگان خدا کے لیئے پیدا کی گئی تھی۔

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَیۡہِ وَلَمۡ یَکُنۡ جَبَّارًا عَصِیًّا ۱۴۔
اور اپنے والدین کا حق شناس تھا۔ وہ جبار نہ تھا اور نہ فرمان۔

وَسَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ وَ یَوۡمَ یَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا ۱۵۔

سلام اس پر جس روز کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس روز وہ زندہ کر کے اٹھایا [۱۲] جائے۔

(۱۲) ۔ حضرت یحییٰ کے جو حالات مختلف انجیلوں میں بکھرے ہوئے ہیں انہیں جمع کر کے ہم یہاں ان کی سیرت پاک کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے سورة آل عمران اور اس سورہ کے مختصر اشارات کی توضیح ہوگی۔

لوقا کے بیان کے مطابق حضرت یحییٰ ، حضرت عیسیٰ سے ٦ مہینے بڑے تھے۔ ان کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ آپس میں قریبی رشتہ دار تھیں۔ تقریباً 30 سال کی عمر میں وہ نبوت کے منصب پر عملاً مامور ہوئے اور یوحنا کی روایت کے مطابق انہوں نے شرق اردن کے علاقہ میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا۔ وہ کہتے تھے :

" میں بیابان ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو " (یوحنا ۱ : ۲۳)

مرقس کا بیان ہے کہ وہ لوگوں سے گناہوں کی توبہ کرنے والے کو بپتسمہ دیتے تھے۔ یعنی توبہ کے بعد غسل کراتے تھے تاکہ روح اور جسم دونوں پاک ہوجائیں، یہودیہ اور یروشلم کے بکثرت لوگ ان کے معتقد ہوگئے تھے اور ان کے پاس جا کر بپتسمہ لیتے تھے (مرقس 41۔ 5) اسی بنا پر ان کا نام یوحنا بپتسمہ والا (John The Baptist) مشہور ہوگیا تھا۔ عام طور پر بنی اسرائیل ان کی نبوت تسلیم کرچکے تھے (متی ۲۱ : ۲٦) مسیح ؑ کا قول تھا کہ " جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا " (متی ۱۱ : ۱۱)

وہ اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنے اور چمڑے کا پٹا کمر سے باندھے رہتے تھے اور ان کی خوراک ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا (متی ۳ : ۴) اس فقیرانہ زندگی کے ساتھ وہ منادی کرتے پھرتے تھے کہ " توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی قریب آگئی ہے " (متی 23) یعنی مسیح ؑ کی دعوت نبوت کا آغاز ہونے والا اسی بنا پر ان کو عموماً حضرت مسیح کا " ارہاص " کہا جاتا ہے، اور یہی بات ان کے متعلق قرآن میں کہی گئی ہے کہ مصدقاً بکلمۃ من اللہ (آل عمران ۳۹)۔

وہ لوگوں کو روزے اور نماز کی تلقین کرتے تھے (۹ : ۱۴۔ لوقا ۵ : ۳۳ ۔لوقا ۱۱: ۱) وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ " جس کے پاس دو کرتے ہوں وہ اس کو جس کے پاس نہ ہو بانٹ دے اور جس کے پاس کھانا ہو وہ بھی ایسا ہی کرے " محصول لینے والوں نے پوچھا کہ استاد، ہم کیا کریں تو انہوں نے فرمایا " جو تمہارے لیئے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا " سپاہیوں نے پوچھا ہمارے لیئے کیا ہدایت ہے ؟ فرمایا نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ناحق کسی سے کچھ لو اور اپنی تنخواہ پر کفایت کرو " لوقا ۳ : ۱۰۔۱۴)۔

بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے علماء " فریسی اور صدوتی ان کے پاس بپتسمہ لینے آئے تو ڈانٹ کر فرمایا " اے سانپ کے بچو ! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو ؟۔۔۔ اپنے دلوں میں کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے۔۔۔ اب درختوں کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے، پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ " (۳ : ۷ ۔ ۱۰)۔

ان کے عہد کا یہودی فرمانروا، ہیرو اینٹی پاس، جس کی ریاست میں وہ دعوت حق کی خدمت انجام دیتے تھے، سرتا پا رومی تہذیب میں غرق تھا اور اس کی وجہ سے سارے ملک میں فسق و فجور پھیل رہا تھا۔ اس نے خود اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیرو دیاس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ حضرت یحییٰ نے اس پر ہیرد کو ملامت کی اور اس کی فاسقانہ حرکات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس جرم میں ہیرد نے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ تاہم وہ ان کو ایک مقدس اور راستباز آدمی جان کر ان کا احترام بھی کرتا تھا اور پبلک میں انکے غیر معمولی اثر سے ڈرتا بھی تھا۔ لیکن ہیرد دیاس یہ سمجھتی تھی کہ یحییٰ جو اخلاقی روح قوم میں پھونک رہے ہیں وہ لوگوں کی نگاہ میں اس جیسی عورتوں کو ذلیل کیئے دے رہی ہے۔ اس لیئے وہ ان کی جان کے درپے ہوگئی۔ آخر کار ہیرد کی سالگرہ کے جشن میں اس نے وہ موقع پالیا جس کی وہ تاک میں تھی۔ جشن کے دربار میں اس کی بیٹی نے خوب رقص کیا جس پر خوش ہو کر ہیرد نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ بیٹی نے اپنی فاحشہ ماں سے پو چھا کیا مانگوں ؟ ماں نے کہا یحییٰ کا سر مانگ لے۔ چناچہ اس نے ہیرد کے سامنے ہاتھ باندھ کر عرض کیا مجھے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں رکھوا کر ابھی منگوا دیجئے۔ ہیرد یہ سن کر بہت غمگین ہوا، مگر محبوبہ کی بیٹی کا تقاضا کیسے رد کرسکتا تھا۔ اس نے فوراً قید خانہ سے یحییٰ کا سر کٹوا کر منگوایا اور ایک تھال میں رکھوا کر رقاصہ کی نذر کردیا (متی ۱۴ : ۳ ۔ ۱۲ مرقس ٦: ۱۷ ۔ ۲۹ لوقا ۳ : ۱۹ ۔ ۲۰)

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ ۱۶

اور اے محمد ﷺ ، اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو، (۱۳) جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئی تھی

(۱۳) ۔ تقابل کے لیئے تفہیم القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۴۲، ۵۵ ۔ النساء حاشیہ ۱۹۰ ۔ ۱۹۱۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۱۷

اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی (۱۴) اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوگیا۔

(۱۴) ؎ سورة آل عمران میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ نے اپنی مانی ہوئی نذر کے مطابق ان کو بیت المقدس میں عبادت کے لیئے بٹھا دیا تھا اور حضرت زکریا نے ان کی حفاظت و کفالت اپنے ذمہ لے لی تھی۔ وہاں یہ ذکر بھی گزر چکا ہے کہ حضرت مریم بیت المقدس کی ایک محراب میں معتکف ہوگئی تھیں۔ اب یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس میں حضرت مریم معتکف تھیں بیت المقدس سے شرقی حصے میں واقع تھی اور انہوں نے معتکفین کے عام طریقے کے مطابق ایک پردہ لٹکا کر اپنے آپ کو دیکھنے والوں کی نگاہوں سے محفوظ کرلیا تھا۔ جن لوگوں نے محض بائیبل کی موافقت کی خاطر مکاناً شرقیاً سے مراد لیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے، کیونکہ ناصرہ یروشلم کے شمال میں ہے نہ کہ مشرق میں۔

قَالَتْ اِنِّیۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ۱۸
مریم یکایک بول اٹھی کہ " اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں " ۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۱۹
اس نے کہا " میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں " ۔

قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ۲۰
مریم نے کہا " میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں " ۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ۲۱
فرشتے نے کہا " ایسا ہی ہوگا، تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں (۱۵) اور اپنی طرف سے ایک رحمت ہو اور یہ کام ہو کر رہنا ہے " ۔

(۱۵) ؎ جیسا کہ ہم حاشیہ نمبر ٦ میں اشارہ کر آئے ہیں حضرت مریم کے استعجاب پر فرشتے کا یہ کہنا کہ " ایسا ہی ہوگا " ہرگز اس معنی میں نہیں ہوسکتا کہ بشر تجھ کو چھوئے گا اور اس سے تیرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تیرے ہاں لڑکا ہوگا باوجود اس کے کہ تجھے کسی بشر نے نہیں چھوا ہے۔ اوپر انہی الفاظ میں حضرت زکریا کا استعجاب نقل ہوچکا ہے۔ اور وہاں بھی فرشتے نے یہی جواب دیا ظاہر ہے کہ جو مطلب اس جواب کا وہاں ہے وہی یہاں بھی ہے۔ اس طرح سورة ، آیات (28۔ 30) میں جب فرشتہ حضرت ابراہیم کو بیٹے کی بشارت دیتا ہے اور حضرت سارہ کہتی ہیں کہ مجھ بوڑھی بانجھ کے ہاں بیٹا کیسے ہوگا تو فرشتہ ان کو جواب دیتا ہے کہ

کذلک " ایسا ہی ہوگا " ظاہر ہے کہ اس سے مراد بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود ان کے ہاں اولاد ہونا ہے۔ علاوہ بریں اگر کذلک کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ بشر تجھے چھوئے گا اور تیرے ہاں اس طرح لڑکا ہوگا جیسے دنیا بھر کی عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے، تو پھر بعد کے دونوں فقرے بالکل بےمعنی ہوجاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کہنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ تیرا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیئے بہت آسان ہے، اور یہ کہ ہم اس لڑکے کو ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ نشانی کا لفظ یہاں صریحاً معجزے کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ اور اسی معنی پر یہ فقرہ بھی دلالت کرتا ہے کہ " ایسا کرنا میرے لیئے بہت آسان ہے " لہٰذا اس ارشاد کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اس لڑکے کی ذات ہی کو ایک معجزے کی حیثیت سے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ بعد کی تفصیلات اس بات کی خود تشریح کر رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی ذات کو کس طرح معجزہ بنا کر پیش کیا گیا

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝۲۲

مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیئے ہوئے ایک دور کے مقام پر (۱۶) چلی گئی۔

(۱۶) ۔ دور کے مقام سے مراد لحم ہے۔ حضرت مریمؑ کا اپنے اعتکاف سے نکل کر وہاں جانا ایک فطری امر تھا۔ بنی اسرائیل کے مقدس ترین گھرانے بنی ہارون کی لڑکی، اور پھر وہ جو بیت المقدس میں خدا کی عبادت کے لیئے وقف ہو کر بیٹھی تھی، یکایک حاملہ ہوگئی۔ اس حالت میں اگر وہ اپنی جائے اعتکاف پر بیٹھی رہتیں اور ان کا حمل لوگوں پر ظاہر ہوجاتا تو خاندان والے ہی نہیں قوم کے دوسرے لوگ بھی ان کا جینا مشکل کردیتے۔ اس لیئے بےچاری اس شدید آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد خاموشی کے ساتھ اپنے اعتکاف کا حجرہ چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں تاکہ جب تک اللہ کی مرضی پوری ہو، قوم کی لعنت ملامت اور عام بدنامی سے تو بچی رہیں۔ یہ واقعہ بجائے خود اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ اگر وہ شادی شدہ ہوتیں اور شوہر ہی سے ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ میکے اور سسرال سب کو چھوڑ چھاڑ کر وہ زچگی کے لئے تن تنہا ایک دور درا مقام پر چلی جاتیں۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝۲۳

پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی " کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام و نشان نہ (۱۷) رہتا ۔ "

(۱۷) ۔ ان الفاظ سے اس پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس میں حضرت مریم اس وقت مبتلا تھیں۔ موقع کی نزاکت ملحوظ رہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ان کی زبان سے یہ الفاظ دردزہ کی تکلیف کی وجہ سے نہیں نکلے

تھے، بلکہ یہ فکر ان کو کھائے جا رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس خطرناک آزمائش میں انہیں ڈالا ہے اس سے کس طرح بخیریت عہدہ برآ ہوں۔ حمل کو تو اب تک کسی نہ کسی طرح چھپا لیا۔ اب اس بچے کو کہاں لے جائیں۔ بعد کا یہ فقرہ فرشتہ نے ان سے کہا " غم نہ کر " اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ حضرت مریم نے یہ الفاظ کیوں کہے تھے۔ شادی شدہ لڑکی کے ہاں جب پہلا بچہ پیدا ہو رہا ہو تو چاہے تکلیف سے کتنی ہی تڑپے، اسے رنج و غم کبھی لاحق نہیں ہوا کرتا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۲۴۔

فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا " غم نہ کر، تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کردیا ہے۔

وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۲۵۔

اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تروتازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔

فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۲۶۔

پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پھر اگر کوئی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، اس لیے آج میں کسی سے نہ (۱۸) بولوں گی " ۔

(۱۸) ۔ مطلب یہ ہے کہ بچے کے معاملے میں تجھے کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی پیدائش پر جو کوئی معترض ہو اسکا جواب اب ہمارے ذمہ ہے (واضح رہے کہ بنی اسرائیل میں چپ کر روزہ رکھنے کا طریقہ رائج تھا) یہ الفاظ بھی صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت مریم کو اصل پریشانی کیا تھی۔ نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شادی شدہ لڑکی کے ہاں پہلو نٹی کا بچہ اگر دنیا کے معروف طریقہ پر پیدا ہو تو آخر اسے چپ کا روزہ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے ؟

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۲۷۔

پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے “ اے مریم ! یہ تو تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۲۸۔

اے ہارون کی بہن، (۱۹) نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار (الف ۱۹) عورت تھی " ۔

(۱۹) ۔ ان لفاظ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں ظاہری معنی میں لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ حضرت مریم کا کوئی بھائی ہارون نامی ہو

دوسرے یہ کہ عربی محاورے کے مطابق اخت ہارون کے معنی " ہارون کے خاندان کی لڑکی " لیے جائیں، کیونکہ عربی میں یہ ایک معروف طرز بیان ہے۔ مثلاً قبیلہ مضر کے آدمی کو یا اخامضر (اے مضر کے بھائی) اور قبیلہ ہمدانی کے آدمی کو یا اخاھمدان (اے ہمدان کے بھائی) کہہ کر پکارتے ہیں۔ پہلے کے حق میں دلیل ترجیح یہ ہے کہ بعض روایات میں خود نبی ﷺ سے یہ معنی منقول ہوئے ہیں اور دوسرے معنی کی تائید میں دلیل یہ ہے کہ موقع و محل اس معنی کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ اس واقعہ سے قوم میں جو ہیجان برپا ہوا تھا اس کی وجہ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہارون نامی ایک گمنام شخص کی کنواری بہن گود میں بچہ لیئے ہوئے آئی تھی، بلکہ جس چیز نے لوگوں کا ایک ہجوم حضرت مریم کے گرد جمع کردیا تھا وہ یہ ہو سکتی تھی کہ بنی اسرائیل کے مقدس ترین گھرانے، خانوادہ ہارون کی ایک لڑکی اس حالت میں پائی گئی۔ اگرچہ ایک حدیث مرفوع کی موجودگی میں کوئی دوسری تاویل اصولاً قابل لحاظ نہیں ہو سکتی، لیکن مسلم، نسائی اور ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث جن الفاظ میں نقل ہوئی ہے اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ان الفاظ کے معنی لازماً " ہارون کی بہن " ہی ہیں۔ مغیرہ ؓ بن شعبہ کی روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے حضرت مغیرہ کے سامنے یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن میں حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ حضرت ہارون ان سے سینکڑوں برس پہلے گزر چکے تھے۔ حضرت مغیرہ ان کے اعتراض کا جواب نہ دے سکے اور انہوں نے آ کر نبی ﷺ کے سامنے یہ ماجرا عرض کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا " تم نے یہ جواب کیوں نہ دے دیا کہ بنی اسرائیل اپنے نام انبیا اور صلحاء کے نام پر رکھتے تھے ؟ " حضور کے اس ارشاد سے صرف یہ بات نکلتی ہے کہ جواب ہونے کے بجائے یہ جواب دے کر اعتراض رفع کیا جاسکتا تھا

(۱۹ الف) ۔ جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ پیدائش کے منکر ہیں وہ آخر اس بات کی کیا معقول توجیہہ کرسکتے ہیں کہ حضرت مریم کے بچہ لئے ہوئے آنے پر قوم کیوں چڑھ کر آئی اور ان پر یہ طعن اور ملامت کی بوچھاڑ اس نے کیوں کی ؟

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۲۹

مریم نے بچے کی طرف اشارہ کردیا۔ لوگوں نے کہا " ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک (۲۰) بچہ ہے ؟ "

(۲۰) ۔ قرآن کی معنوی تحریف کرنے والوں نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ " ہم اس سے کیا بات کریں جو کل کا بچہ ہے " یعنی ان کے نزدیک یہ گفتگو حضرت عیسیٰ کی جوانی کے زمانے میں ہوئی اور بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں نے کہا کہ بھلا اس لڑکے سے کیا بات کریں جو کل ہمارے سامنے گہوارے میں پڑا تھا مگر جو شخص موقع و محل اور سیاق وسباق پر کچھ بھی غور کرے گا وہ محسوس کرے گا یہ محض ایک مہمل تاویل ہے جو معجزے سے بچنے کے لیے کی گئی ہے۔ اور کچھ نہیں تو ظالموں نے یہی سوچا ہوتا کہ جس بات پر اعتراض

کرنے کے لیئے وہ لوگ آئے تھے وہ تو بچے کی پیدائش کے وقت پیش آئی تھی نہ کہ
اس کے جوان ہونے کے وقتے علاوہ بریں سورة آل عمران کی آیت ۴۶ ، اور
سورة مائدہ کی آیت، ۱۱۰ دونوں اس بات کی قطعی صراحت کرتی ہیں کہ
حضرت عیسیٰ نے یہ کلام جوانی میں نہیں بلکہ گہوارے میں ایک نو زائیدہ بچہ
کی حیثیت ہی سے کیا تھاے پہلی آیت میں فرشتہ حضرت مریم کو بیٹے کی
بشارت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرے گا اور
جوان ہو کر بھیے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ خود حضرت عیسیٰ سے فرماتا ہے
کہ تو لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرتا تھا اور جوانی میں بھیے

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾
بچہ بول اٹھا " میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی، اور نبی بنایا،

وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ﴿۪ۖ۳۱﴾
اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا
جب تک میں زندہ رہوں،

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ ۫ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾
اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا، (الف 20)

(۲۰ الف) یہ نہیں فرمایا کہ والدین کا حق ادا کرنے والا، صرف والدہ کا
حق ادا کرنے والا فرمایا ہے، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ کا
باپ کوئی نہ تھا، اور اسی کی ایک صریح دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہر جگہ ان کو
عیسیٰ ابن مریم کہا گیا ہے۔

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾
اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور
جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں (۲۱) "

(۲۱) یہ ہے وہ نشانی " جو حضرت عیسیٰ کی ذات میں بنی اسرائیل کے
سامنے پیش کی گئیے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کی مسلسل بد کرداریوں پر
عبرتناک سزا دینے سے پہلے ان پر حجت تمام کرنا چاہتا تھا اس کے لیئے اس نے
یہ تدبیر فرمائی کہ بنی ہارون کی ایک ایسی زاہدہ و عابدہ لڑکی کو جو بیت
المقدس میں معتکف اور حضرت زکریا کے زیر تربیت تھی، دوشیزگی کی حالت
میں حاملہ کردیا جب وہ بچہ لیئے ہوئے آئی تو ساری قوم میں ہیجان برپا ہوجائے
اور لوگوں کی توجہات یکلخت اس پر مرکوز ہوجائیں پھر اس تدبیر کے نتیجے
میں جب ایک ہجوم مریم پر ٹوٹ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس نو زائیدہ بچے سے کلام
کرایا تاکہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر نبوت کے منصب پر سرفراز ہو تو قوم میں
ہزاروں آدمی اس امر کی شہادت دینے والے موجود رہیں کہ اس کی شخصیت
میں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں اس پر بھی جب یہ

قوم اس کی نبوت کا انکار کرے اور اس کی پیروی قبول کرنے کے بجائے اسے مجرم بنا کر صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے تو پھر اس کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے جو دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی گئی۔ (مزید تشریح کے لیئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۴۴۔ ۵۳۔ النساء حاشیہ ۳۱۲، ۳۱۳ جلد سوم، الانبیاء حاشیہ ۸۸ ۔ ۸۹ ۔ ۹۰۔ المومنون، حاشیہ ۴۳)

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ۳۴
یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۳۵
اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے۔ وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہوجا، اور بس وہ ہو جاتی (۲۲) ہے۔

(۲۲) ۔ یہاں تک جو بات عیسائیوں کے سامنے واضح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے متعلق ابن اللہ ہونے کا جو عقیدہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ باطل ہے۔ جس طرح معجزے سے حضرت یحییٰ ؑ کی پیدائش نے ان کو خدا کا بیٹا نہیں بنادیا اسی طرح ایک دوسرے معجزے حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر انہیں خدا کا بیٹا قرار دے دیا جائے۔ عیسائیوں کی اپنی روایات میں بھی یہ بات موجود ہے کہ حضرت یحییٰ ؑ اور حضرت عیٰسیؑ، دونوں ایک ایک طرح کے معجزے سے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ لوقا کی انجیل میں کہا گیا ہے۔ لیکن یہ عیسائیوں کا غلو معجزے سے پیدا ہونے والے کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں اور دوسرے معجزے سے پیدا ہونے والے کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھے ہیں۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۳۶
(اور عیسیٰ ؑ نے کہا تھا کہ) " اللہ میرا رب بھی اور تمہارا رب بھی، پس تم اس کی بندگی کرو، یہی سیدھی (۲۳) راہ ہے " ۔

(۲۳) ۔ یہاں عیسائیوں کو بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی دعوت بھی وہی تھی جو تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے۔ انہوں نے اس کے سوا کچھ نہیں سکھایا تھا کہ صرف خدا ئے واحد کی بندگی کی جائے۔ اب یہ جو تم نے ان کو بندے کے بجائے خدا بنا لیا ہے اور انہیں عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہو، یہ تمہاری اپنی ایجاد ہے۔ تمہارے پیشوا کی یہ تعلیم ہرگز نہیں تھی۔ (مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول آل عمران، حاشیہ ٦٨، مائدہ، حاشیہ ۱۰۰ ۔ ۱۰۱ ۔ ۱۳۰۔ جلد چہارم الزخرف حواشی ۵۷۔ ۵۸)

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۳۷

مگر پھر مختلف گروہ باہم اختلاف کرنے لگے۔ (۲۴) سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے وہ وقت بڑی تباہی کا ہوگا جبکہ وہ ایک بڑا دن دیکھیں گے۔

(۲۴) ۔ یعنی عیسائیوں کے گروہ۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۸

جب وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے اس روز تو ان کے کان بھی خوب سن رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں بھی خوب دیکھتی ہوں گی مگر آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۹

اے محمد ﷺ ، اس حالت میں جبکہ یہ لوگ غافل ہیں اور ایمان نہیں لارہے ہیں، انھیں اس دن سے ڈرا دو جبکہ فیصلہ کردیا جائے گا اور پچھتاوے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝۴۰ ؏

آخر کار ہم ہی زمین اور اس کی ساری چیزوں کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے۔ (۲۵)

(۲۵) ۔ یہاں وہ تقریر ختم ہوتی ہے جو عیسائیوں کو سنانے کے لیے نازل فرمائی گئی تھی۔ اس تقریر کی عظمت کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ آدمی اس کو پڑھتے وقت وہ تاریخی پس منظر نگاہ میں رکھے جو ہم نے اس سورہ کے درمیان میں کیا ہے۔ یہ تقریر اس موقع پر نازل ہوئی تھی جبکہ مکے کے مظلوم مسلمان ایک عیسائی سلطنت میں پناہ لینے کے لیے جارہے تھے، اور اس غرض کے لیے نازل کی گئی تھی کہ جب وہاں مسیح کے متعلق اسلامی عقائد کا سوال چھڑے تو یہ "سرکاری بیان" عیسائیوں کو سنا دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہوسکتا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو کسی حال میں بھی حق و صداقت کے معاملے میں مداہنت برتنا نہیں سکھایا ہے۔ پھر وہ سچے مسلمان جو حبش کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے، ان کی قوت ایمانی بھی حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے عین دربار شاہی میں ایسے نازک موقع پر اٹھ کر یہ تقریر سنا دی جبکہ نجاشی کے تمام اہل دربار رشوت کھا کر انہیں ان کے دشمنوں کے سپرد کردینے پر تل گئے تھے۔ اس وقت اس امر کا پورا خطرہ تھا کہ مسیحیت کے بنیادی عقائد پر اسلام کا یہ بےلاگ تبصرہ سن کر نجاشی بھی بگڑ جائے گا اور ان مظلوم مسلمانوں کو قریش کے قصائیوں کے حوالے کر دے گا۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے کلمہ حق پیش میں ذرہ برابر تامل نہ کیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝۴۱

اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو، (۲۶) بیشک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔

(۲۶) ۔ یہاں سے خطاب کا رخ اہل مکہ کی طرف پھر رہا ہے جنہوں نے اپنے نوجوان بیٹوں، بھائیوں، اور دوسرے رشتے داروں کو اسی طرح خدا پرستی کے جرم میں گھر چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا جس طرح حضرت ابراہیم کو ان کے باپ اور بھائی بندوں نے دیس سے نکال دیا تھا۔ اس غرض کے لیئے دوسرے انبیاء کو چھوڑ کر خاص طور پر ابراہیم کے قصے کا انتخاب اس لیئے کیا گیا کہ قریش کے لوگ ان کو اپنا پیشوا مانتے تھے اور انہی کی اولاد ہونے پر عرب میں اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـٴًـا۴۲
(انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا " ابا جان، آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں ؟

یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۴۳
ابا جان، میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔

یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا۴۴
ابا جان، آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، (۲۷) شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔

(۲۷) ۔ اصل الفاظ ہیں لا تعبد الشیطن، یعنی " شیطان کی عبادت نہ کریں " اگرچہ حضرت ابراہیم کے والد اور قوم کے دوسرے لوگ عبادت بتوں کی کرتے تھے، لیکن چونکہ اطاعت وہ شیطان کی کر رہے تھے اس لیئے حضرت ابراہیم نے ان کی اس اطاعت شیطان کو عبادت شیطان قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت محض پوجا اور پرستش ہی کا نام نہیں بلکہ اطاعت کا نام بھی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی پر لعنت کرتے ہوئے بھی اس کی بندگی بجا لائے تو وہ اس کی عبادت کا مجرم ہے، کیونکہ شیطان بہرحال کسی پر لعنت کرتے ہوئے بھی اس کی بندگی بجا لائے تو وہ اس کی عبادت کا مجرم ہے، کیونکہ شیطان بہرحال کسی زمانے میں بھی لوگوں کا " معبود " (بمعنی معروف) نہیں رہا ہے بلکہ ان کے نام پر ہر زمانے میں لوگ لعنت ہی بھیجتے رہے ہیں (تشریح کے لیئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم، الکہف، حاشیہ ۴۹ ۔ ۵۰)

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝٤٥
ابا جان، مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں ۔ "

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝٤٦
باپ نے کہا " ابراہیم ؑ، کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے ؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہوجا ۔ "

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝٤٧
ابراہیم ؑ نے کہا " سلام ہے آپ کو۔ میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کردے، (٢٧الف) میرا رب مجھ پر بڑا مہربان ہے۔"

(٢٧ الف) ۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم، التوبہ، حاشیہ ١١٢

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝٤٨
میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا ۔ "

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝٤٩
پس جب وہ ان لوگوں سے اور ان کے معبودان غیر اللہ سے جدا ہوگیا تو ہم نے اس کو اسحاق ؑ اور یعقوب ؑ جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝٥٠ ۧ
اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو سچی نام وری (٢٨) عطا کی ۔

(٢٨) ۔ یہ حرف تسلی ہے ان مہاجرین کے لیے جو گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح ابراہیم ؑ اپنے خاندان سے کٹ کر برباد نہ ہوئے بلکہ الٹے سر بلند سرفراز ہو کر رہے، اسی طرح تم بھی برباد نہ ہو گے بلکہ وہ عزت پاؤ گے جس کا تصور بھی جاہلیت میں پڑے ہوئے کفار قریش نہیں کرسکتے۔

وَ اذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوسٰىۤ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴿۵۱﴾

اور ذکر کرو اس کتاب میں موسیٰؑ کا، وہ ایک چیدہ [۲۹] شخص تھا اور رسول نبی [۳۰] تھا۔

(۲۹) ۔ اصل میں لفظ مخلص استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں " خالص کیا ہوا " مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ایک ایسے شخص تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے خالص اپنا کرلیا تھا۔

(۳۰) ۔ " رسول " کے معنی ہیں " فرستادہ " ، "بھیجا ہوا " اس معنی کے لحاظ سے عربی زبان میں قاصد پیغام بر، ایلچی اور سفیر کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور قرآن میں یہ لفظ یا تو ان ملائکہ کے لئے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کار خاص پر بھیجے جاتے ہیں یا پھر ان انسانوں کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلق کی طرف اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مامور فرمایا۔

" نبی " کے معنی میں اہل لغت کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس کو لفظ " نبا " سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں، اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی " خبر دینے والے " کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ نبو ہے، یعنی رفعت اور بلندی اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے " بلند مرتبہ " اور " عالی مقام "۔ ازہری نے کسائی سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبی ہے جس کے معنی طریق اور راستے کے ہیں، اور انبیاء کو نبی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہیں۔

پس کسی شخص کو " رسول نبی " کہنے کا مطلب یا تو " عالی مقام پیغمبر " ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا پیغمبر " یا پھر " وہ پیغمبر جو اللہ کا راستہ بتانے والا ہے " ۔

قرآن مجید میں یہ دونوں الفاظ بالعموم ہم معنی استعمال ہوئے ہیں۔ چناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی شخصیت کو کہیں صرف رسول کہا گیا ہے۔ اور کہیں صرف نبی اور کہیں رسول اور نبی ایک ساتھ۔ لیکن بعض مقامات پر رسول اور نبی کے الفاظ اس طرح بھی استعمال ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مرتبے یا کام کی نوعیت کے لحاظ سے کوئی اصطلاحی فرق ہے۔ مثلاً سورۂ حج، رکوع 7 میں فرمایا وما ارسلنا من قبلک من رسول و لا نبی الا۔۔۔ " ہم نے تم سے پہلے نہیں بھیجا کوئی رسول اور نہ نبی مگر۔۔۔" یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اور نبی دو الگ اصطلاحیں ہیں جن کے درمیان کوئی معنوی فرق ضرور ہے۔ اسی بنا پر اہل تفسیر میں یہ بحث چل پڑی ہے کہ اس فرق کی نوعیت کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قطعی دلائل کے ساتھ رسول اور نبی کی الگ الگ حیثیتوں کا تعین نہیں کرسکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ ان جلیل القدر ہستیوں

کے لئے بولا گیا ہے جن کو عام انبیاء کی بہ نسبت زیادہ اہم منصب سپرد کیا گیا تھا۔ اسی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد نے حضرت ابو امامہ سے اور حاکم نے حضرت ابوذر سے نقل کی ہے کہ نبی ﷺ سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۳۱۳ یا ۳۱۵ بتائی اور انبیاء کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ایک لاکھ ۲۴ ہزار بتائی۔ اگرچہ اس حدیث کی سندیں ضعیف ہیں، مگر کئی سندوں سے ایک بات کا نقل ہونا اس کے ضعف کو بڑی حد تک دور کردیتا ہے۔

وَ نٰدَیۡنٰہُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ وَ قَرَّبۡنٰہُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾

ہم نے اس کو طور کے داہنی جانب سے پکارا (۳۱) اور راز کی گفتگو سے اس کو تقرب (۳۲) عطا کیا،

(۳۱) ۔ کوہ طور کے داہنی جانب سے مراد اس کا مشرقی دامن ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ مدین سے مصر جاتے ہوئے اس راستہ سے گزر رہے تھے جو کوہ طور کے جنوب سے جاتا ہے، اور جنوب کی طرف سے اگر کوئی شخص طور کو دیکھے تو اس کے دائیں جانب مشرق اور بائیں جانب مغرب ہوگا، اس لئے حضرت موسیٰ کی نسبت سے طور کے مشرقی دامن کو " داہنی جانب " فرمایا گیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بجائے خود پہاڑ کا کوئی دایاں یا بایاں رخ نہیں ہوتا۔

(۳۲) ۔ تشریح کے لیئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، النساء حاشیہ ۲۰۶۔

وَ وَہَبۡنَا لَہٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ نَبِیًّا ﴿۵۳﴾

اور اپنی مہربانی سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اسے (مددگار کے طور پر) دیا۔

وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِسۡمٰعِیۡلَ ۫ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَکَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿۵۴﴾

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو۔ وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔

وَکَانَ یَاۡمُرُ اَہۡلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ ۪ وَکَانَ عِنۡدَ رَبِّہٖ مَرۡضِیًّا ﴿۵۵﴾

وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔

وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِدۡرِیۡسَ ۫ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا ﴿۵۶﴾

اور اس کتاب میں ادریس (۳۳) کا ذکر کرو۔ وہ ایک راستباز انسان اور ایک نبی تھا

(۳۳) ۔ حضرت ادریس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی تھے۔ مگر اکثریت اس طرف گئی ہے کہ وہ حضرت نوح سے بھی پہلے گزرے ہیں۔ نبی ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ہم کو ایسی نہیں ملی

جس سے ان کی شخصیت کے تعین میں کوئی مدد ملتی ہو۔ البتہ قرآن کا ایک اشارہ اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ وہ حضرت نوح سے مقدم ہیں۔ کیونکہ بعد والی آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ نبی (جن کا ذکر اوپر گزرا ہے) آدم کی اولاد، نوح کی اولاد، ابراہیم کی اولاد اور اسرائیل کی اولاد سے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰ، عیسیٰ اور موسیٰ تو بنی اسرائیل میں سے ہیں، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اولاد ابراہیم سے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ اولاد نوحؑ سے، اس کے بعد صرف حضرت ادریسؑ ہی رہ جاتے ہیں جن کے متعلق یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اولاد آدم سے ہیں۔

مفسرین کا عام خیال یہ ہے کہ بائیبل میں جن بزرگ کا نام حنوک (Enach) بتایا گیا ہے، وہی حضرت ادریسؑ ہیں۔ ان کے متعلق بائیبل کا بیان یہ ہے کہ "اور حنوک پینسٹھ برس کا تھا جب اس سے متوسلح پیدا ہوا اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک تین سو برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا.... اور وہ غائب ہوگیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا " ۔ (پیدائش، باب ۵۔ آیت ۲۱ ۔ ۲۴)

تلمود کی اسرائیلی روایات میں ان کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بتائے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح سے پہلے جب بنی آدم میں بگاڑ کی ابتدا ہوئی تو خدا کے فرشتے نے حنوک کو، جو لوگوں سے الگ تھلگ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، پکارا کہ " اے حنوک، اٹھو، گوشۂ عزلت سے نکلو اور زمین کے باشندوں میں چل پھر کر ان کو راستہ بتاؤ جس پر ان کو چلنا چاہیے اور وہ طریقے بتاؤ جن پر انہیں عمل کرنا چاہیے؛ یہ حکم پاکر وہ نکلے اور انہوں نے جگہ جگہ لوگوں کو جمع کر کے وعظ و تلقین کی اور نسل انسانی نے ان کی اطاعت قبول کر کے اللہ کی بندگی اختیار کرلی۔ حنوک ۳۵۳برس تک نسل انسانی پر حکمران رہے۔ ان کی حکومت انصاف اور حق پرستی کی حکومت تھی۔ ان کے عہد میں زمین پر خدا کی رحمتیں برستی رہیں۔ (The Talmud Selections, pp, 18-21)

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۵۷۔

اور اسے ہم نے بلند مقام پر اٹھایا تھا۔ (۳۴)

(۳۴) ۔ اس کا سیدھا سادھا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس کو بلند مرتبہ عطا کیا تھا، لیکن اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر یہ بات ہمارے ہاں بھی مشہور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس کو آسمان پر اٹھا لیا۔ بائیبل میں تو صرف اسی قدر ہے کہ وہ غائب ہوگئے کیونکہ خدا نے ان کو اٹھا لیا " مگر تلمود میں اس کا ایک طویل قصہ بیان ہوا ہے جس کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ " حنوک ایک بگولے میں آتش رتھ اور گھوڑوں سمیت آسمان پر چڑھ گئے " ۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ٭ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۩۵۸

یہ وہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا آدمؑ کی اولاد میں سے، اور ان لوگوں کی نسل سے جنہیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا، اور ابراہیمؑ کی نسل سے اور اسرائیلؑ کی نسل سے۔ اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور برگزیدہ کیا۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب رحمان کی آیات ان کو سنائی جاتیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔ السجدہ

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ۵۹

پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا (۳۵) اور خواہشات نفس کی پیروی کی، (۳٦) پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں۔

(۳۵) یعنی نماز پڑھنی چھوڑ دی، یا نماز سے غفلت اور بےپروائی برتنے لگے۔ یہ ہر امت کے زوال و انحطاط کا پہلا قدم ہے۔ نماز وہ اولین رابطہ ہے جو مومن کا زندہ اور عملی تعلق خدا کے ساتھ شب و روز جوڑے رکھتا ہے اور اسے خدا پرستی کے مرکز و محور سے بچھڑنے نہیں دیتا۔ یہ بندھن ٹوٹتے ہی آدمی خدا سے دور اور دور تر ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ عملی تعلق سے گزر کر اس کا خیالی تعلق بھی خدا کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بات ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان فرمائی ہے کہ پچھلے تمام انبیا کی امتوں کا بگاڑ نماز ضائع کرنے سے شروع ہوا ہے۔

(۳٦) یہ تعلق باللہ کی کمی اور اس کے فقدان کا لازمی نتیجہ ہے۔ نماز کی اضاعت سے جب دل خدا کی یاد سے غافل رہنے لگے تو جوں جوں یہ غفلت بڑھتی گئی، خواہشات نفس کی بندگی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ان کے اخلاق اور معاملات کا ہر گوشہ احکام الٰہی کے بجائے اپنے من مانے طریقوں کا پابند ہو کر رہا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ۶۰

البتہ جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عملی اختیار کرلیں وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ۣالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۶۱

ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے درپردہ وعدہ کر رکھا ہے (۳۷) اور یقینا یہ وعدہ پورا ہو کر رہنا ہے۔

(۳۷) یعنی جس کا وعدہ رحمان نے کیا ہے وہ جنتیں ان کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ﴿۶۲﴾

وہاں وہ کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے، جو کچھ بھی سنیں گے ٹھیک ہی سنیں گے۔ (۳۸) اور ان کا رزق انھیں پیہم صبح و شام ملتا رہے گا۔

(۳۸) ۔ اصل میں لفظ " سلام " استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں عیب اور نقص سے محفوظ۔ جنت میں نعمتیں انسان کو میسر ہوں گی ان میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہوگی کہ وہاں بیہودہ اور فضول گندی بات سننے میں نہ آئے گی۔ وہاں کا پورا معاشرہ ایک ستھرا اور سنجیدہ اور پاکیزہ معاشرہ ہوگا جس کا ہر فرد سلیم الطبع ہوگا۔ وہاں کے رہنے والوں کو غیبتوں اور گالیوں اور فحش گانوں اور دوسری بری آوازوں کی سماعت سے پوری نجات مل جائے گی۔ وہاں آدمی جو کچھ سنے گا اور معقول اور بجا باتیں ہی سنے گا۔ اس نعمت کی قدر وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو اس دنیا میں فی الواقع ایک پاکیزہ اور ستھرا ذوق رکھتا ہو۔ کیونکہ وہی یہ محسوس کرسکتا ہے کہ انسان کے لئے ایک ایسی گندی سوسائٹی میں رہنا کتنی بڑی مصیبت ہے جہاں کسی وقت بھی اس کے کان جھوٹ، غیبت، فتنے و فساد، گندگی اور شہوانیت کی باتوں سے محفوظ نہ ہوں۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا ﴿۶۳﴾

یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیزگار رہا ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ﴿۶۴﴾

اے محمد ؐ، (۳۹) ہم تمہارے رب کے حکم کے بغیر نہیں اترا کرتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ہر چیز کا مالک وہی ہے اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

(۳۹) ۔ یہ پورا پیراگراف ایک جملہ معترضہ ہے جو ایک سلسلہ کلام کو ختم کر کے دوسرا سلسلہ کلام شروع کرنے سے پہلے ارشاد ہوا ہے۔ انداز کلام صاف بتارہا ہے کہ یہ سورۃ بڑی دیر کے بعد ایسے زمانے میں نازل ہوئی ہے جبکہ نبی ؐ اور آپ کے صحابہ بڑے اضطراب انگیز حالات سے گزر رہے ہیں ۔ حضور کو اور آپ کے صحابیوں کو ہر وقت وحی کا انتظار ہے تاکہ اس سے رہنمائی بھی ملے اور تسلی بھی حاصل ہو۔ جوں جوں وحی آنے میں دیر ہو رہی ہے اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔ اس حالت میں جبریل ؑ فرشتوں کے جھرمٹ میں تشریف لاتے ہیں۔ پہلے وہ فرمان سناتے ہیں جو موقع کی ضرورت کے لحاظ سے فوراً درکار تھا۔ پھر آگے بڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اشارے سے یہ چند کلمات اپنی طرف سے کہتے ہیں جن میں اتنی دیر تک اپنے حاضر نہ ہونے کی معذرت بھی ہے، اللہ

تعالیٰ کی طرف سے حرف تسلی بھی، اور ساتھ ساتھ صبر و ضبط کی تلقین بھی۔

یہ صرف کلام کی اندرونی شہادت ہی نہیں ہے بلکہ متعدد روایات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں جنہیں ابن جریر، ابن کثیر اور صاحب روح المعانی وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبٰدَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝ۧ65
وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان ساری چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں۔ پس تم اس کی بندگی کرو اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو (۴۰) کیا ہے کوئی ہستی تمہارے علم میں اس کی (۴۱) ہم پایہ ؟

(۴۰) یعنی اس کی بندگی کے راستے پر مضبوطی کے ساتھ چلو اور اس راہ میں جو مشکلات اور مصائب بھی پیش آئیں ان کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر اس کی طرف سے یاد فرمائی اور مدد اور تسلی میں کبھی دیر لگ جایا کرے تو اس پر گھبراؤ نہیں۔ ایک مطیع فرمان بندے کی طرح ہر حال میں اس کی مشیت پر راضی رہو اور پورے عزم کے ساتھ وہ خدمت انجام دیے چلے جاؤ جو ایک بندے اور رسول کی حیثیت سے تمہارے سپرد کی گئی ہے۔

(۴۱) اصل میں لفظ سمی استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی " ہم نام " کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تو الٰہ ہے، کیا کوئی دوسرا الٰہ بھی تمہارے علم میں ہے ؟ اگر نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ نہیں ہے تو پھر تمہارے لیئے اس کے سوا اور راستہ ہی کونسا ہے کہ اس کی بندگی کرو اور اس کے حکم کے بندے بن کر رہو۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝66
انسان کہتا ہے کیا واقعی جب میں مر چکوں گا تو پھر زندہ کر کے نکال لایا جاؤں گا ؟

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَـيْـــًٔا ۝67
کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کرچکے ہیں جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ؟

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝68
تیرے رب کی قسم، ہم ضرور ان سب کو اور ان کے ساتھ شیاطین کو بھی (۴۲) گھیر لائیں گے، پھر جہنم کے گرد لا کر انھیں گھٹنوں کے بل گرا دیں گے

(۴۲) یعنی ان شیاطین کو جن کے یہ چیلے بنے ہوئے ہیں اور جن کے سکھائے پڑھائے میں آ کر انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی

دنیا کی زندگی ہے، اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں جہاں ہمیں خدا کے سامنے حاضر ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہو۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۚ ۶۹

پھر ہر گروہ میں سے ہر اس شخص کو چھانٹ لیں گے جو رحمان کے مقابلے میں زیادہ سرکش بنا (۴۳) ہوا تھا،

(۴۳) یعنی ہر باغی گروہ کا لیڈر۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۷۰

پھر یہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے بڑھ کر جہنم میں جھونکے جانے کا مستحق ہے۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۷۱

تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو، (۴۴) یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔

(۴۴) وارد ہونے کے معنی روایات میں داخل ہونے کے بیان کیے گئے ہیں، مگر ان میں سے کسی کی سند بھی نبی ﷺ تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچی ہے اور پھر یہ بات قرآن مجید اور ان کثیر تعداد صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے جن میں مومنین صالحین کے دوزخ میں جانے کی قطعی نفی کی گئی ہے۔ مزید برآں لغت میں بھی ورود کے معنی دخول کے نہیں ہیں۔ اس لیئے اس کا صحیح مطلب یہی ہے کہ جہنم پر گزر تو سب کا ہوگا مگر، جیسا کہ بعد والی آیت بتارہی ہے، پرہیزگار لوگ اس سے بچا لیئے جائیں گے اور ظالم اس میں جھونک دیئے جائیں گے۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۷۲

پھر ہم ان لوگوں کو بچا لیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۷۳

ان لوگوں کو جب ہماری کھلی کھلی آیات سنائی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں " بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں (۴۵) زیادہ شاندار ہیں ؟ "

(۴۵) یعنی ان کا استدلال یہ تھا کہ دیکھ لو، دنیا میں کون اللہ کے فضل اور اس کی نعمتوں سے نواز جا رہا ہے۔

کس کے گھر زیادہ شاندار ہیں ؟ کس کا معیار زندگی زیادہ بلند ہے ؟ کس کی محفلیں زیادہ ٹھاٹھ سے جمتی ہیں ؟ اگر یہ سب کچھ ہمیں میسر ہے اور تم اس سے محروم ہو تو خود سوچ لو کہ آخر یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم باطل پر ہوتے اور یوں مزے اڑاتے اور تم حق پر ہوتے اور اس طرح خستہ و در ماندہ رہتے ؟ مزید تشریح کے لیئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، حواشی ۳۷ ، ۳۸ ۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا ﴿۷۴﴾

حالانکہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کرچکے ہیں جو ان سے زیادہ سروسامان رکھتی تھیں اور ظاہری شان و شوکت میں ان سے بڑھی ہوئی تھیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ
اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

ان سے کہو، جو شخص گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے اسے رحمان ڈھیل دیا کرتا ہے یہاں تک کہ جب ایسے لوگ وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔۔۔۔ خواہ وہ عذاب الٰہی ہو یا قیامت کی گھڑی۔۔۔ تب انہیں معلوم ہوجاتا ہے کہ کس کا حال خراب ہے اور کس کا جتھا کمزور !

وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اس کے برعکس جو لوگ راہ راست اختیار کرتے ہیں اللہ ان کو راست روی میں ترقی عطا فرماتا ہے (۴۶) اور باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک جزا اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

(۴۶) ۔ یعنی ہر آزمائش کے موقع پر اللہ تعالیٰ ان کو صحیح فیصلے کرنے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی توفیق بخشتا ہے، ان کو برائیوں اور غلطیوں سے بچاتا ہے اور اس کی ہدایت و رہنمائی سے وہ برابر راہ راست پر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۷۷﴾

پھر تو نے دیکھا اس شخص کو جو ہماری آیات کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مال اور اولاد سے نوازا ہی جاتا رہوں گا (۴۷) ؟

(۴۷) ۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ تم مجھے خواہ کتنا ہی گمراہ و بدکار کہتے رہو اور عذاب الٰہی کے ڈراوے دیا کرو، میں تو آج بھی تم سے زیادہ خوشحال ہوں اور آئندہ بھی مجھ پر نعمتوں کی بارش ہوتی رہے گی۔ میری دولت دیکھو، میری وجاہت اور ریاست دیکھو، میرے نامور بیٹوں کو دیکھو، میری زندگی میں آخر تمہیں کہاں یہ آثار نظر آتے ہیں کہ میں خدا کا مغضوب ہوں ؟۔۔۔ یہ مکے میں

کسی ایک شخص کے خیالات نہ تھے بلکہ کفار مکہ کا ہر شیخ اور سردار اسی خبط میں مبتلا تھا۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾
کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا ہے یا اس نے رحمان سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟

كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾
ہرگز نہیں، جو کچھ یہ بکتا ہے اسے ہم لکھ لیں گے (۴۸) اور اس کے لیے سزا میں اور زیادہ اضافہ کریں گے۔

(۴۸) یعنی اس کے جرائم کے ریکارڈ میں اس کا یہ کلمہ غرور بھی شامل کرلیا جائے گا اور اس کا مزا بھی اسے چکھنا پڑے گا۔

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُولُ وَيَاْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾
جس سروسامان اور لاؤ لشکر کا یہ ذکر کر رہا ہے وہ سب ہمارے پاس رہ جائے گا ۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾
اور یہ اکیلا ہمارے سامنے حاضر ہوگا۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے کچھ خدا بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے پشتیبان ہوں (۴۹) کوئی پشتیبان نہ ہوگا۔

(۴۹) اصل میں لفظ عزا استعمال ہوا ہے، یعنی وہ ان کے لیئے سبب عزت ہوں۔ مگر عزت سے مراد عربی زبان میں یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اس کی حمایت پر ہو جس کی وجہ سے اس کا کوئی مخالف اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾
وہ سب ان کی عبادت کا انکار کریں گے (۵۰) اور الٹے ان کے مخالف بن جائیں گے۔

(۵۰) یعنی وہ کہیں گے کہ نہ ہم نے کبھی ان سے کہا تھا ہماری عبادت کرو، اور نہ ہمیں یہ خبر تھی کہ یہ احمق لوگ ہماری عبادت کر رہے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾
کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم نے ان منکرین حق پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انھیں خوب خوب (مخالفت حق پر) اکسا رہے ہیں ؟

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾
اچھا، تو اب ان نزول عذاب کے لیے بےتاب نہ ہو، ہم ان کے دن گن رہے ہیں۔ (۵۱)

مطلب یہ ہے کہ ان کی زیادتیوں پر تم بےصبر نہ ہو۔ ان کی شامت قریب آلگی ہے۔ پیمانہ بھرا چاہتا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی مہلت کے کچھ دن باقی ہیں، انہیں پورا ہو لینے دو۔

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾
وہ دن آنے والا ہے جب متقی لوگوں کو ہم مہمانوں کی طرح رحمان کے حضور پیش کریں گے،

وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾
اور مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔

لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾
اس وقت لوگ کوئی سفارش لانے پر قادر نہ ہوں گے بجز اس کے جس نے رحمان کے حضور سے پروانہ حاصل کر لیا ہو۔ (۵۲)

(۵۲) یعنی سفارش اسی کے حق میں ہوگی جس نے پروانہ حاصل کیا ہو، اور وہی سفارش کرسکے گا جسے پروانہ ملا ہو۔ آیت کے الفاظ ایسے ہیں جو دونوں پہلوؤں پر یکساں روشنی ڈالتے ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾
وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔

لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾
سخت بیہودہ بات ہے جو تم لوگ گھڑ لائے ہو۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾
قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہوجائے اور پہاڑ گر جائیں،

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾
اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد ہونے کا دعوی کیا !

وَ مَا يَنۢبَغِىۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۞۹۲
رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔

اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ۞۹۳
زمین اور آسمانوں کے اندر جو بھی ہیں سب اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔

لَقَدۡ اَحۡصٰىهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ۞۹۴
سب پر وہ محیط ہے اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔

وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ۞۹۵
سب قیامت کے روز فردا فردا اس کے سامنے حاضر ہوں گے ۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ۞۹۶
یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا (۵۳)

(۵۳) یعنی آج مکے کی گلیوں میں وہ ذلیل و رسوا کیے جا رہے ہیں مگر یہ حالت دیر پا نہیں ہے۔ قریب ہے وہ وقت جبکہ اپنے اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے وہ محبوب خلائق ہو کر رہیں گے۔ دل ان کی طرف کھنچیں گے۔ دنیا ان کے آگے پلکیں بچھائے گی۔ فسق و فجور، رعونت اور کبر، جھوٹ اور ریا کاری کے بل پر جو سیادت قیادت چلتی ہو وہ گردنوں کو چاہے جھکالے، دلوں کو مسخر نہیں کرسکتی۔ اس کے برعکس جو لوگ صداقت، دیانت، اخلاص اور حسن اخلاق کے ساتھ راہ راست کی طرف دعوت دیں، ان سے اول چاہے دنیا کتنی ہی اپرائے، آخر کار وہ دلوں کو موہ لیتے ہیں اور بد دیانت لوگوں کا جھوٹ زیادہ دیر تک ان کا راستہ روکے نہیں رہ سکتا۔

فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ۞۹۷
پس اے محمد ؐ ، اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمہاری زبان میں اسی لیے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دو اور ہٹ دھرم لوگوں کو ڈرا دو ۔

وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ۞۹۸
پس اے محمد ؐ ، اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمہاری زبان میں اسی لیے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دو اور ہٹ دھرم لوگوں کو ڈرا دو ۔